© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فکر و نظر

"نویں آئینی ترمیم" اور "نفاذِ شریعت بل" کا باہمی ربط؟

اندیشے، مسائل اور ان کا حل

۱۳ر جولائی ۱۹۸۵ء کو سینٹ میں "نفاذِ شریعت بل" پیش ہُوا۔ اس وقت سے یہ بل مختلف کمیٹیوں کے سپرد ہوتا ہُوا، اسلامی نظریاتی کونسل کے پاس پہنچا، جہاں سے اس کی رپورٹ آچکی ہے ــــــ اسی دوران یہ بل عوام، انجمنوں اور دینی جماعتوں کے غور کے لیے بھی نشر کیا گیا، چنانچہ تقریروں، کانفرنسوں اور کنونشنوں میں زیرِ بحث آنے کے بعد اس پر اظہارِ خیال کے علاوہ، اخبارات و جرائد میں بھی اس کے حق یا مخالفت میں تبصرے شائع ہوئے اور تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے ــــــ ۲۵ر اپریل ۸۶ء تک سینٹ کو، جو اس بل پر آراء بھیجنے کی آخری تاریخ تھی، ۴۰ لاکھ کے قریب آراء موصول ہو چکی تھیں۔ جن میں سے ننانوے فیصد آراء اس کے حق میں تھیں ــــــ ان تائیدی آراء میں سے ایک کثیر تعداد میں یہ وضاحت بھی کی گئی تھی کہ بل کو جملہ مسلمانوں کے نزدیک متفقہ بنانے کے لیے اس میں ترمیم ضروری ہے۔ یعنی "بل کی دفعہ ۲ شق (۱) کے بعد" اور وہ کتاب و سنّت ہی ہے" کے الفاظ کے اضافہ سے چونکہ شریعت کی تعریف مکمل ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس دفعہ کی دیگر شقوں ب، ج، د کی کوئی ضرورت نہیں، انہیں بل سے حذف کر دینا چاہیئے! ــــــ لیکن اسی شور و غوغا میں ایک بل، جو آئین میں نویں ترمیم ہے، بغیر کسی مناسب بحث کے سینٹ میں پیش کر کے منظور کرا لیا گیا۔ جس پر نہ صرف حکومتی حلقوں نے باہم مبارکبادیں بانٹیں، بلکہ وزیر اعظم جناب محمد خاں جونیجو اور وزیرِ انصاف اقبال احمد خاں نے اسی کو شریعت بل قرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا۔ تب سے حکمران جماعت کے چھوٹے سے لے کر بڑے تک ملک وملت کو نفاذِ شریعت کا "کامیاب مژدہ" سنا رہے ہیں۔ مسلم لیگ کے باوا پیر پگاڑا نے تو نویں ترمیم کی منظوری سے پہلے ہی شریعت بل کی مخالفت کا اعلان فرما دیا تھا، اور تب سے وہ مخالفت کرتے چلے آرہے ہیں ۔۔۔۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے نویں آئینی ترمیم کا ایک جائزہ لیں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ نویں ترمیم نے ہمیں کیا دیا ہے؟ بعد ازاں "نفاذِ شریعت بل" کے "نویں آئینی ترمیم" سے تعلق، اور اس کی اہمیت یا مشکلات پر تبصرہ کریں گے۔ ان شاء اللہ!

نویں ترمیم کی اہم ترین شق (۲) ہے۔ جس کے بارے میں یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اس سے ملک کے پورے قانونی نظام پر کتاب وسنت کی بالادستی قائم ہو گئی ہے ۔۔۔۔ اس دفعہ کے انگریزی متن کا اردو میں ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"دستور کی دفعہ ۲ میں "اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہے" کے بعد نویں ترمیم سے ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے کہ:

"اور اسلام کے احکام، جیسا کہ وہ مقدس قرآن وسنّت سے ماخوذ ہوں، اعلیٰ ترین قانون اور راہنمائی کا منبع ہوں گے۔ تاکہ (وہ احکام) پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے وضع کردہ قوانین کے ذریعے نافذ العمل ہوں۔ اور (ان کی روشنی میں) حکومت کی پالیسی طے ہو"

گویا اس ترمیم میں اسلام اور مقدس قرآن وسنّت کے الفاظ تو ضرور موجود ہیں، مگر اصل مقصود بھی واضح ہے کہ شریعت نہیں، بلکہ (زیادہ سے زیادہ) اسلام کے نام پر قرآن وسنّت سے مستنبط احکام کی بات ہو رہی ہے، پھر بالادستی بھی ان مستنبط احکام کی نہیں، بلکہ اُن احکام کی ہو گی جنہیں مقننہ "اسلامی" کہے یا مقننہ کی قانون سازی انہیں "اسلام" بنا دے، نیز قرآن وسنّت کے مستنبط احکام، مقننہ کی قانون سازی کے لیے محض "راہنمائی کا منبع" ہوں گے۔ اسے صاف ظاہر ہے کہ قرآن وسنّت سے راہنمائی کے نام پر بالادستی، اسلامی احکام اور کتاب وسنّت کی بجائے، مقننہ کی قائم کی گئی ہے ۔۔۔۔ جبکہ دعویٰ یہ ہے کہ اس ترمیم سے ملک کے پورے قانونی نظام پر کتاب وسنت کی بالادستی قائم ہو گئی ہے اور اسی بناء پر ملک میں نفاذِ شریعت کی نوید بھی سنائی جا رہی ہے! حالانکہ نویں ترمیم کا حاصل اسلامی احکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صرف راہنما حیثیت ہے۔ جبکہ نفاذِ شریعت سے اصل مطلوب کتاب و سنّت کی قانونی حیثیت ہے۔ جب تک کتاب و سنّت کو سپریم قانون کی آئینی حیثیت دے کر اسے مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ پر بالادستی نہ دی جائے، نویں ترمیم شریعت بل نہیں بن سکتی!

نویں آئینی ترمیم کی دوسری اہم ترین شق وہ ہے کہ جس کے ذریعے دستور کی دفعہ ۲۰۳ ب کا ایک حصہ حذف کیا گیا ہے —— یہ دفعہ دستور میں وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات سے متعلق ہے، جس کے تحت عدالت مذکور کو قوانین کے بارے میں قرآن و سنّت کے تحت جائزہ لینے کا کام سونپا گیا تھا، لیکن دستور، مسلم عائلی قوانین، عدالتی طریقِ کار کے قوانین اور مالی قوانین دس سال کے لیے اس عدالت کے دائرۂ کار سے مستثنیٰ قرار پائے تھے۔ جبکہ اس ترمیم کے ذریعے اب صرف دستور کو ہی کتاب و سنّت سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے اور باقی تین کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیارِ سماعت میں دے دیا گیا ہے۔ گویا بہ نظرِ ظاہر وفاقی شرعی عدالت کے اختیارِ سماعت میں وسعت پیدا کی گئی ہے، لیکن درحقیقت یہ محض ایک تکلف ہے۔ کیونکہ اولاً، نویں ترمیم کی شق ۳ و اور ۳ ب کے ذریعہ مالیاتی قوانین کے سلسلہ میں عملاً عدالت کا یہ اختیار ختم کر دیا گیا ہے۔ کہ ان کے بارے میں عدالت مذکور کو ماہرین کے تعاون سے خاص تجاویز اور متعین مدت کے اندر قانون سازی کی صرف سفارش کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور طول طویل بحثوں اور لمبی سماعت کے باوجود اسے کسی حکم کا اختیار نہیں۔ جو لوگ ہماری عدالتوں کے تھکا دینے والے طریقِ کار سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ عدالت مذکور کی صرف سفارش حاصل کرنے کے لیے کوئی بھی اتنے لمبے طریقِ کار سے گزرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اور پھر اپیلوں کا چکر اور اسمبلی کے مراحل، ایک نہ ختم ہونے والا طویل سلسلہ ہے۔ نویں ترمیم میں شق ۳ ا اور ب کے ذریعے اس احتیاط اور تفصیل سے ملک کے سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو تحفظات مہیا کیے گئے ہیں، کہ بالفرض اگر کوئی جزوی قانون سازی ہو بھی جائے تو مؤثر بہ ماضی نہ ہو۔ اور اسی طرح مالی قوانین میں تبدیلی کا عمرِ نوح اور صبرِ ایوب والا طویل طریقہ، اگر کامیاب ہونے کا خطرہ ہو تو بھی سب مراحل طے ہوتے تک کوئی عدالت مداخلت نہ کر سکے۔ یوں مالی قوانین کا عدالت مذکور کے دائرۂ اختیارِ سماعت میں آنا بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکے گا!

اور ثانیاً اس لیے کہ کسی ملک کے اندر دستور ہی اصل قانون اور ذیلی قوانین کی بنیاد ہوتا ہے۔ جب اس دستور کو ہی قرآن و سنّت، یا بالفاظِ دیگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے خارج کر دیا گیا، تو اللہ کی حاکمیت اور اسلام کی بالادستی کہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم ہوئی ؟ نتیجہ ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کا نام ضرور لیا گیا ہے ، لیکن حاکمیت پھر بھی غیر اللہ کی قائم رہی !

یہاں یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ ہماری رائے میں اسلام کے ساتھ مطابقت کے لیے وفاقی شرعی عدالت کا قانون سازی میں دخل، قرآن و سنت کی بالادستی نہیں بلکہ یہ صرف ججوں کے اجتہاد کی برتری ہے۔ کیونکہ شریعتِ اسلامیہ وحی سے مقرر ہوتی ہے، جو صرف کتاب و سنت ہے۔ اجتہادات، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، شوریٰ کے ہوں یا عدلیہ کے، وحیِ الٰہی نہیں ہوتے بلکہ یہ نبی معصوم پر وحی کی بجائے، غیر معصوم امتی کی ذہنی تگ و تاز کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی ـــــ لہٰذا شریعت (کتاب و سنت) اور تشریح و تطبیق (فقہ و اجتہاد) کا فرق کرنا ضروری ہے۔ اصطلاح میں اسے شریعت سے الگ فتویٰ یا قضاء کا نام دیا جاتا ہے ـــــ چونکہ شریعت (کتاب و سنت) نبی معصوم کی معرفت مقرر ہوتی ہے، اس لیے وہ ایک ہوتی ہے اور متعین بھی! ـــــ جبکہ فقہ و قضاء غیر معصومین کے اجتہادات کی وجہ سے مختلف ہو سکتی ہیں اور ان کا تعدد ایک تسلیم شدہ امر ہے! ـــــ یہی وجہ ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری اور جعفری، متعدد فقہوں کے وجود سے کسی کو مجالِ انکار نہیں، جبکہ شریعتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) صرف ایک ہے! ـــــ چنانچہ نفاذِ شریعت بل میں شریعت کی تعریف کرتے ہوئے فقہ کو اس میں گڈمڈ کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے، اس کے ذریعے فرقہ وارانہ اختلافات کو پنپنے کا موقع دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل پاکستان علمائے اہلِ حدیث کنونشن نے، شریعت بل پر تبصرہ کے سلسلے میں، کتاب و سنت ہی کو شریعت کی مکمل تعریف قرار دے کر انفرادی اور اجتماعی اجتہادات کو شریعت سے الگ کرنے کی تجویز پیش کرتے ہوئے جملہ مسلمانوں کو دعوتِ اتحاد دی تھی اور اب اسلامی نظریاتی کونسل کے علاوہ جماعتِ اسلامی وغیرہ بھی اسی بات کی تائید کر رہی ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک دیگر وضاحت یہ بھی ضروری ہے کہ جدید دانشوروں کو فقہ سے ویسے ہی چڑ ہے اور وہ شروع سے فرقہ وارانہ اختلافات کا واویلا کر کے شریعت ہی سے گلوخلاصی چاہتے ہیں، جبکہ ہمارا مقصود فقہ کی اہمیت کو کم کرنا نہیں، بلکہ شریعت اور فقہ کو الگ الگ کرنا ہے ـــ اور یہ ہیں بھی الگ الگ! ـــــ اس کے باوجود ہم فقہ کی راہنمائی کی ضرورت کے قائل ہیں، لیکن مسلمانوں میں بے دین طبقہ، چونکہ کتاب و سنت کو صرف راہنمائی والا درجہ یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ کا مقام ہی دینا چاہتا ہے ——— یعنی اصل بالادستی تو مقننہ اور عدلیہ کے اجتہادات کی رہے اور کتاب و سنت سے صرف (اور وہ بھی تبرکاً) راہنمائی لی جائے ——— لہٰذا اس کی ہم شدید مخالفت کریں گے۔ بالخصوص جبکہ آج کی مقننہ اور عدلیہ کے اجتہادات کو اُمت کے سابقہ مسلّمہ مجتہدین کے فقہ و فتاویٰ سے کوئی نسبت ہی نہیں! عجیب بات یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ دانشور حضرات، ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کو فرقہ وارانہ اختلافات کا سبب قرار دیتے ہیں، لیکن دوسری طرف سیکولر نظامِ تعلیم کے پروردہ اراکینِ اسمبلی اور جج حضرات کے "اجتہادات" کو شریعت کا اصل منشا ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں ——— ان لوگوں نے اجتہاد کا تصور ہی بدل دیا ہے، چنانچہ کتاب و سنت پر اضافہ یا اسلامی احکامات کو سرے سے ہی مسخ کر دینا ان کے نزدیک اجتہاد کہلاتا ہے، جو درحقیقت الحاد اور پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ لیکن دعویٰ یہ کہ ان "اجتہادات" کے ذریعے وہ فرقہ واریت کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ دورِ حاضر کا یہ جدید اجتہاد، اُمت کے سابقہ چند فرقوں پر، سینکڑوں جدید فرقوں کا شاخسانہ بنے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے اہلِ علم، دیندار طبقہ اور اسلام پسند عوام شریعت بل کو منظور کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ ان کا مقصود یہ ہے کہ شریعت بل کے ذریعہ شریعت کو حکومت (مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ) پر، بالادستی حاصل ہو جائے۔ اور یہی تخلیقِ پاکستان کے نعرہ " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کا مفہوم ہے۔ لہٰذا نفاذِ شریعت بل سے انحراف گویا تکمیلِ پاکستان کے مقاصد سے انحراف ہو گا!

غالباً نویں آئینی ترمیم سے شریعت بل کا یہی وہ ربط ہے، جس کی بناء پر صدرِ مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے شریعت بل کی منظوری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اسے نویں ترمیم سے ہم آہنگ کرنے پر زور دیا تھا۔ چنانچہ ہماری رائے میں بھی سابقہ گزارشات کی روشنی میں، نویں آئینی ترمیم کے ساتھ شریعت بل کو ہم آہنگ کئے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ شریعت بل میں حکومت پر شریعت کی بالادستی کا تصور اسی وقت کارگر ہو سکتا ہے، جبکہ حکومت کے دستور و قانون میں کتاب و سنت کی پابندی لازمی قرار دی جائے۔ ورنہ اگر شریعت بل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے محض نویں ترمیم ہی کو شریعت بل قرار دیا جائے گا، تو خواہ اس ترمیم میں وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ کار دستور وغیرہ تک بھی وسیع کر دیا جائے، ہمیں اس ترمیم سے ماسوائے ایک تکلف کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ شریعت پر مقننہ اور عدلیہ کے اجتہادات کی بالادستی بہر حال قائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے گی۔ جبکہ شریعت بل کو اس سے مربوط کرنے کا لازمی تقاضا یہ ہوگا کہ پہلے نویں ترمیم میں مقننہ اور عدلیہ کے اجتہادات پر کتاب وسنّت کی بالادستی قائم ہو، تاکہ یہ بنیادی شریعت بل بن جائے، پھر اسی بنیاد پر شریعت بل کی منظوری کو اگلا قدم بنایا جاسکتا ہے ـــــ اور اس طرح شریعت بل کی بناء پر مزید ترمیمات کے چکر سے بھی بچا جاسکتا ہے!

نویں ترمیم کے ساتھ نفاذِ شریعت بل کو ہم آہنگ کرنے کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ جس طرح نویں آئینی ترمیم جدید اجتہاد کی برتری والی خرابی اور سیکولر نظریات کے خدشات سے پاک ہو جائے گی، اسی طرح نفاذِ شریعت بل بھی فرقہ وارانہ کمزوریوں کی درآمد سے پاک ہو جائیگا! ـــــ یوں نویں ترمیم اور نفاذِ شریعت بل دونوں کو جدید و قدیم تھیاکریسی[1] کے طعن سے بھی نجات مل جائے گی۔

مندرجہ بالا صورت ملک میں نفاذِ شریعت کے لیے مثبت سوچ کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ملک میں ایک منفی ذہن بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ گمراہ دانشوروں اور سامراج نواز لابی کے لیے نفاذِ شریعت بل بڑی پریشانی کا باعث بنا ہُوا ہے ـــــ وہ ایک طرف تو اس بل کی، شریعت کی تعریف میں مذکور اجتہاد و اجماع والی، شقوں سے یہ تاثر دے رہے

---

[1] مغرب زدہ دانشور شریعت کی عملداری کو سبوتاژ کرنے کے لیے "تھیاکریسی" کا طعن بہت استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ عیسائیت میں یہ تصور ایک مخصوص درجے کی ماہرانہ بصیرت کی بجائے، ایک طبقے کی پیشہ وری سے اندھی عقیدت کی بناء پر، داخل ہُوا۔ جبکہ اسلام میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات کی دائمی محفوظ روشنی کے باوصف یہ ممکن نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا خطرہ ہے، تو صرف اس وقت جب کسی مخصوص تعبیرِ دین کو شریعت (کتاب وسنّت) کا درجہ دے کر اس کی تقلید کی جائے۔ اور یہ خطرہ جیسا کہ قدیم فقہی مذاہب کی متعصبانہ تقلید سے پیدا ہوتا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر یہ خطرہ اجتہادِ جدید کے نام پر دورِ حاضر کی مقننہ یا عدلیہ کے فیصلوں کو شریعت کا درجہ دے کر قانون سازی کرنے میں ہے۔ چنانچہ نویں ترمیم سے جہاں موجودہ حالت میں یہی جدید تھیاکریسی اختیار کی گئی ہے، وہاں نفاذِ شریعت بل میں شریعت کی تعریف میں فقہ کو داخل کر کے قدیم تھیاکریسی کا خطرہ پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ دونوں کو باہمی ارتباط کے ذریعے معتدل اور متوازن بنا کر تھیاکریسی کے اس خطرہ سے نجات دلائی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ ان کے باعث امت میں اختلافات شدید تر ہو جائیں گے، لیکن دوسری طرف انہیں شریعت کی تعریف سے اجتہاد و اجماع والی ان شقوں کو خارج کرنے سے، خود پر یہ مصیبت نازل ہوتی نظر آتی ہے کہ اس کے باعث وہ شریعت میں من مانے اضافے یا تغیر و تبدل کا دروازہ اپنے لیے بند پاتے ہیں۔ جس سے ان کا جدید لادینی نظام شدید بحران کا شکار ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ ملک میں نفاذِ شریعت کے سلسلہ کی اصل رکاوٹ یہی ذہن ہے۔ اگر یہ لوگ شریعت (کتاب و سنت)، جو وحی الٰہی ہے، پر مطمئن ہوتے تو انہیں یہ بحران پریشان نہ کرتے۔ کیونکہ یہ سب ان کے شریعت سے وہمی خوف کے بحران ہیں ——— اللہ کی شریعت فساد و بحران کے خاتمہ کے لیے ہوتی ہے، اس سے بحران پیدا نہیں ہوا کرتے!

اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسی بحران کے نام نہاد خدشات کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ بتائیں کہ وہ کس قدر کمزور ہیں:

۱۔ کہا جاتا ہے کہ:

نویں آئینی ترمیم اور پھر نفاذِ شریعت بل سے شریعت کی قانون سازی اس طرح ہوگی کہ وفاقی شرعی عدالت کو مقننہ پر بالادستی حاصل ہو جائے گی۔ حالانکہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے بدلتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں رجم کی مثال دی جا رہی ہے کہ پہلے وفاقی شرعی عدالت نے رجم کو قرآن کے خلاف قرار دیا اور پھر اسی عدالت نے اسے کتاب و سنت کے مطابق قرار دے دیا۔

جواباً، اول تو یہ بات تسلیم شدہ نہ ہے کہ نویں آئینی ترمیم اور شریعت بل میں وفاقی شرعی عدالت کو مقننہ پر بالادستی حاصل ہے۔ ہم ابھی یہ تجزیہ کر آئے ہیں کہ اس ترمیم میں مقننہ کو، نہ صرف وفاقی شرعی عدالت بلکہ کتاب و سنت پر بھی، بالادستی حاصل ہے۔ کیونکہ اس کی رو سے مقننہ ہی کتاب و سنت سے ماخوذ اسلامی احکام کو قانون سازی کر کے متعین کرے گی۔ گویا اسلامی احکام وہی ہوں گے جنہیں مقننہ اسلامی کہے گی۔ اور کتاب و سنت کی تعبیر بھی وہی ہوگی جسے مقننہ کتاب و سنت کی تعبیر قرار دے! ——— پھر مذکورہ خدشہ کے لیے بنیاد ہونے میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے؟ ——— ہاں اس سے تو بجا طور پر حاملینِ شریعت کو یہ شکوہ لاحق ہے کہ کتاب و سنت پر مقننہ کی بالادستی سے احکامِ شریعت متاثر ہوں گے۔ اسی لیے ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ نویں آئینی ترمیم اور نفاذِ شریعت بل کو باہم مربوط کیا جائے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاکہ مقننہ اور عدلیہ پر کتاب و سنّت کی بالادستی قائم ہو!

ثانیاً، دستوری ترامیم اور دستور میں تضاد و اختلاف کا معاملہ مقننہ کے ہاتھ میں ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات سے تو دستور کو اس قدر تحفظ دیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف دستور پر غور نہیں کر سکتی، بلکہ بے شمار ذیلی قوانین بھی صرف اس وجہ سے کتاب و سنّت کے دائرۂ نگرانی میں نہ آسکیں گے کہ اس سے دستوری بنیادوں پر زد پڑے گی۔

بلاشبہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے اجتہاد کے زمرے میں آتے ہیں۔ اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ نویں ترمیم کے ساتھ نفاذِ شریعت بل کو مربوط اور ہم آہنگ کر کے اگر کتاب و سنّت کی دائمی اور مستقل حیثیت تسلیم کر لی جائے تو عدالت مذکور کے ان غلط مخالفانہ اجتہادی فیصلوں کا بھی اُسی طرح کوئی زیادہ نقصان نہ ہو گا، جس طرح فتاویٰ کے اختلافات اور تغیر و تبدل سے اصل شریعت قائم رہتی ہے اور اس میں نہ صرف کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، بلکہ متعدد آراء شریعت کی وسعتوں کی نشاندہی کرتی اور مسائل کے حل کے لیے بہتر راہنمائی کا کام دیتی ہیں۔۔۔۔ البتہ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ فتویٰ اور قضاء (عدالتی فیصلہ) میں فرق ہے۔۔۔۔ فتاویٰ میں اختلافات ہونے پر ان کی پابندی لازمی نہیں ہوتی۔ جبکہ قضاء میں یہ پابندی لازمی ہوتی ہے، تاہم کسی عدالتی فیصلے کا تعلق کسی مخصوص معاملہ سے ہونے کی بناء پر غلطی کے اثرات وسیع نہیں ہوتے!۔۔۔۔ لیکن چونکہ وفاقی شرعی عدالت کا ایک پہلو، قضاء کے علاوہ، قانون سازی کا بھی ہے، جو اپنے وسیع اثرات رکھتا ہے، اس لیے اگر کتاب و سنّت کو مستقل قانونی بالادستی دے دی جائے تو وفاقی شرعی عدالت کے ایسے فیصلوں کو، جو قانون سازی یا قانون کی تشریح سے متعلق ہوں، ہم دائمی قانون یا تعبیرِ شریعت قرار دینے کے حق میں نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت مسائل کے ایک ایسے وقتی حل کی ہو گی، جو محدود ہونے کی بناء پر نقصان دہ نہیں ہوتا۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وفاقی شرعی عدالت کی قانونی تشریحات کی، وقتی حل ہونے کی بناء پر، کوئی اہمیت ہی نہیں۔ بلکہ ہنگامی مسائل کے حل کے لیے ان کی ایک اہمیت بہر حال موجود ہے۔ اس لیے اس کے فاضل ارکان جج صاحبان اور ان کے مشیروں کی اہلیت معیاری ہونی چاہیئے۔ تاکہ وہ کتاب و سنّت کی مجتہدانہ بصیرت سے فیصلے کر سکیں اور یہ نہ ہو کہ کتاب و سنّت سے آزاد اجتہاد کے نام پر وہ شریعت کی تعبیر کرتے ہوئے اسلام کا حلیہ ہی بگاڑ دیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفاقی شرعی عدالت کو مقننہ پر بالادستی دینے کا سوال اس لیے بھی غلط ہے کہ آج کے جمہوری دور میں اہل افراد کا چناؤ صرف تقرری (SELECTION) سے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ عدلیہ اور بیوروکریسی میں یہی طریق رائج ہے، جبکہ انتخاب صرف مقننہ تک محدود ہے۔ جہاں پیشہ وارانہ مہارت کی بجائے حلقوں کے اعتماد کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس پیشہ وارانہ مہارت ہی کی بناء پر کتاب وسنت کی تعبیر یا اجتہاد میں جج حضرات کو فوقیت حاصل ہوتی ہے ---- اور پھر یہ بات تو جملہ جدید نظاموں میں بھی موجود ہے کہ قانون کی تعبیر میں قانونی عدالتیں ہی بالادستی کی حامل ہوتی ہیں۔ امریکہ جیسے جمہوری ملک میں متعدد مرتبہ سپریم کورٹ نے کانگریس یا ریاستوں کی قانون ساز مجالس کے قوانین اس بناء پر کالعدم قرار دیئے ہیں کہ وہ آئین کی روح اور منشاء کے خلاف تھے ---- عدالتیں جہاں مختلف مقدمات میں حقوق و فرائض اور ظلم و زیادتی کے فیصلے کرتی ہیں، وہاں ان عدالتوں کو آئین کی تعبیر و توضیح اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری بھی سونپی جاتی ہے۔ اسی کو عدلیہ کی قانونی بالادستی اور جمہوریت کا استحکام سمجھا جاتا ہے، اور اسی بناء پر انتظامیہ بھی من مانے اقدامات کرتے وقت عدلیہ سے خوف کھاتی ہے ---- ان حالات میں مقننہ پر عدالت کی بالادستی کا یہ خدشہ کیا انتہائی لغو نہیں؟ تعجب ہے کہ مغربیت کے ان پجاریوں کو مغربیت بھی نہیں آتی!

ہماری اس گفتگو سے اس اعتراض کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ عدلیہ کے چند جج مقننہ کی معتد بہ تعداد پر کیوں برتری رکھتے ہیں؟ وجہ ظاہر ہے کہ حق و باطل کا فیصلہ اہلیت سے ہوتا ہے، کثرت سے نہیں۔ اور یہ بات جمہوری نظام کا حصہ بھی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کی توضیح کچھ یوں کی جاتی ہے کہ قانون سازی میں مقننہ کی بالادستی ہوتی ہے، تعبیر میں عدلیہ کی اور نفاذ میں انتظامیہ کی! ---- یوں حکومت کے تینوں شعبوں کو متوازن بنایا جاتا ہے!

۲۔ کہا جاتا ہے کہ:

نفاذِ شریعت سے قانون کا ارتقاء رک جائے گا جبکہ سماجی حالات میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ اور معاشرہ ہر دم بدلتا رہتا ہے ---- مشہور مقولہ ہے کہ ع

ثبات فقط ایک تغیر کو ہے زمانے میں!

---- پھر قانون کا ارتقاء رک جانے سے یہ زمانے کے ہر دم بدلتے تقاضوں کا ساتھ کیونکر دے سکے گا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دراصل یہ بھی ایک مغالطہ ہے، جس کی بنیادی وجہ شریعت اور وضعی قانون کے فرق کو نہ سمجھنا ہے ــــــ یہ درست ہے کہ قانون اور سماج کا ایک گہرا تعلق ہے، کہ سماج ہی قانون کو جنم دیتا ہے اور سماج کے بدلنے سے قانون کا تغیر بھی لازمی ہے ــــ لیکن شریعت کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے۔ شریعت وہ طریقہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا ہے۔ جو نہ صرف عالمگیر ہے، بلکہ رہتی دنیا تک حتمی اور آخری بھی ہے ــــــ فکر و عمل کے اعتبار سے یہ مکمل بھی ہے اور زمانے کے بدلتے تقاضوں کے باوجود غیر متبدل اور ناقابلِ اضافہ بھی! تاہم جملہ معاشرتی تبدیلیوں اور نت نئے پیش آنے والے مسائل کا حل بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ نہیں کہ معاشرہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ خود بھی بدل جائے ــــــ پھر اس میں کسی دوسرے ازم اور نظام کی آمیزش بھی نہیں ہو سکتی، کہ وہ خود ہی کامل و اکمل نظریہ اور نظام ہے! ــــــ وجہ ظاہر ہے کہ اس نظام کا مقرر کرنے والا، شارع حقیقی خود اللہ رب العزت ہے۔ جس نے نہ صرف انسان کو پیدا کیا، بلکہ وہ اس کے کل تغیرات سے واقف بھی ہے اور جملہ ارتقاءات کا ضامن بھی:

"اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ !" (الملک: ۱۴)

" اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَ الۡاَمۡرُ ؕ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ !" (الاعراف: ۵۴)

"(زمانے کے بدلنے کے ساتھ ساتھ انسانی ضروریات کو) کیا وہی نہ جانے گا جس نے (انسان کو اور جملہ مخلوقات کو بھی) پیدا کیا ہے؟ حالانکہ وہ تو بڑا ہی باریک بین خبر رکھنے والا ہے!" ــــــ "مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا (چلے گا)، اللہ رب العالمین کیا ہی برکت والا ہے!"

ــــــ سماجی تبدیلیوں کا شریعت میں ایک حل، جس کا انتظام خود انسانوں کے ذریعہ کیا گیا ہے، اجتہاد کا حرکی تصور ہے۔ تاہم اجتہاد کے معنے شریعتِ محمدی میں اضافہ یا تبدیلی کے نہیں، کیونکہ اس کی زد ختمِ نبوت کے عقیدہ پر پڑتی ہے! ــــــ اجتہاد، کتاب و سنت میں موجود جملہ و معتوں کی تلاش ہے، یا یوں کہئے کہ اس سے مراد، پیش آمدہ مسائل کے سلسلے میں کتاب و سنت سے اللہ تعالیٰ کی منشاء معلوم کرنا اور مسائل پر احکامِ الٰہی کا اطلاق ہے ــــــ شریعتِ محمدی محض ایک نظریہ نہیں، بلکہ یہ زندگی گزارنے کا ایک مکمل اور کامیاب طریقہ بھی ہے۔ اس بامقصد طریقے کی، بظاہر واضح احکام نہ ہونے کی صورت میں، تلاش کے لیے ذہنی کوششیں متعدد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلوؤں سے اسے دیکھتے ہیں تو عام آدمی کو یہ اختلاف نظر آتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک ہی چیز کے متنوع پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان انسانی کوششوں کے ناکافی ہونے اور تلاش کی محدودیت کی بناء پر ماہرینِ کتاب و سنت کے غلط اجتہادات پر رخصت بھی دے دی ہے کہ ایسی مخلصانہ کوشش پر بھی ایک اجر ضرور ملتا ہے۔ ہاں اگر یہ اجتہاد درست ہو تو اس کا دوہرا اجر ہے۔ یہ اس لیے کہ اجتہاد میں غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے، اسی بناء پر اس میں اختلاف بھی ممکن ہے (لیکن یہ شریعت کا اختلاف نہیں ہوگا) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کو پیش آمدہ مسائل کی ضرورت تک محدود رکھا ہے، اور شریعت (کتاب و سنت) کی طرح اسے دائمی حیثیت نہیں دی!

الغرض شریعتِ محمدی میں وحی کا تحفظ اور اجتہاد کی وسعتیں بیک وقت شریعت کے دوام اور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ربط کی ضامن بھی ہیں —— اور بظاہر یہ ثبات و تغیر کا تضاد بناوٹی قانون کے عشاق کی سمجھ میں نہیں آتا، لیکن یہی قدرتِ الٰہی تمام بناوٹی اور وضعی قوانین کے بالمقابل شریعت کے اعجاز کی دلیل ہے جو انسان کو شریعت کی اتباع کا پابند بنانے کے لیے کافی ہے!

۳۔ کہا جاتا ہے کہ:

قانون اکثریت کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے۔ سعودی عرب اور ایران میں پبلک لاء (لاء آف دی لینڈ) اکثریتی فرقہ کے مسلک کے مطابق ہے۔

یہ تصور بھی غیر اسلامی ہے۔ کیونکہ اسلام میں قانون، شریعتِ الٰہی (محمدی) ہی ہے، جو کتاب و سنت میں محفوظ ہے۔ فقہ و فتویٰ کو بھی صرف راہنما کا درجہ حاصل ہے، قانون کا نہیں! —— چنانچہ سعودی عرب میں کسی بھی فقہ کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ وہاں اکثریت حنبلی فقہ کے ماہرین کی ہے، تاہم دارالقضاء اور عدلیہ صرف کتاب و سنت کے پابند ہیں۔ مسائل کے حل میں فقہ حنبلی کے علاوہ دیگر ائمہ مجتہدین کے فتاویٰ سے بھی بھرپور استفادہ کیا جاتا ہے، اسلامی یونیورسٹیوں میں بھی متعدد فقہوں کا تقابلی مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک دستوری حیثیت کا تعلق ہے تو یہ وہاں صرف قرآنِ مجید کو حاصل ہے جس کی واحد متعین تعبیر سنتِ رسول ﷺ ہے۔ حتیٰ کہ سعودی عرب نے اقوام متحدہ میں بھی اپنا دستور قرآنِ مجید پیش کر رکھا ہے اور "رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ" اپنے ایک اہم فیصلے میں اسلامی مملکتوں کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب اللہ ہی کو اسلامی دستور و قانون قرار دے چکا ہے۔ لہٰذا سعودی عرب کے بارے میں اکثریتی فقہ کا خیال ناواقفی ہے۔ سعودی عرب میں اعلیٰ عدالتیں تو کجا، جملہ محاکم صغریٰ و کبریٰ بھی کتاب و سنت ہی کی پابند ہیں اور کسی نئے یا پیچیدہ مسئلہ کے حل کے لیے دارالافتاء کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ یوں کتاب و سنت پر مبنی نظام عرصہ سے کامیاب چل رہا ہے!

کتاب و سنت کی قانونی اہمیت کے سلسلہ میں سعودی عرب اس قدر حساس ہے کہ جب سے قواعد و ضوابط اور ادارہ جاتی قوانین کی صورت میں ذیلی قوانین بھی وہاں لاگو ہوئے ہیں، اسی وقت سے ان میں روز افزوں اضافہ کے سبب سعودی عرب کا اہل علم طبقہ تشویش کا شکار ہے کہ اس بناء پر کہیں ملک میں قانونی ثنویت نہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا کوشش یہی کی جاتی ہے کہ ادارہ جاتی قوانین شدید ضرورت تک محدود رہیں ـــــ لیکن یہ واضح رہے کہ وہاں ذیلی قوانین کی تشکیل بھی کسی خاص فقہ پر مبنی ہونے کی بجائے مغرب کے قانونی اثرات کی بدولت ہے!

باقی رہا ایران کا مسئلہ، تو اس سلسلہ میں ابھی تک وہاں انقلابی جوش و جذبہ موجود ہے۔ جس کے نیچے اقلیتی فرقے خوف سے دبے ہوئے ہیں ـــــ جس طرح ایرانی انقلاب کے بارے میں ابھی یہ حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا طریق کار اسلام یا کمیونزم میں سے کس کے قریب تر ہے، اسی طرح وہاں اکثریتی فقہ کی بالادستی بھی مثالی قرار نہیں دی جا سکتی کہ اس سے سند حاصل کی جائے۔ ورنہ اگر یہی سلسلہ چل نکلا، تو بھارت میں جیسے سکھ اور مسلمان اقلیتوں کو کچلا جا رہا ہے، اسی طرح مسلمانوں کے اندر بھی اسی دَور کے لوٹ آنے کا خطرہ ہے کہ سقوطِ بغداد سے قبل حنفی اور شافعی کی باہمی نفرت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ ایک دوسرے کی جائیدادوں اور مکانوں کو نذرِ آتش کیا جا رہا تھا!

الغرض سیکولرازم کے اکثریتی حق کے اصول سے درآمد اکثریتی فقہ کا یہ تصور مسلمانوں کے ہاں پیدا کر کے دراصل شریعتِ محمدی کے اندر کئی ادیان کی ایجاد ہو رہی ہے:

دینِ حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دینِ نبیؐ انداختند![1]

قانون کا تعلق حقوق و فرائض کی تقسیم میں منصفانہ فیصلے اور حق و باطل کے معیار قائم کرنے سے ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، یہ بات جمہوری نظام میں بھی تسلیم شدہ ہے کہ حق و انصاف کے معاملے میں اکثریت کا کوئی دخل نہیں۔ ورنہ عدالتوں کے قیام سے قانونی بالادستی کے کوئی معنی ہی

[1] دینِ حنفیہ، اسلام، کو چار فقہی مذاہب بنانا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین و شریعت میں رخنہ اندازی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں۔ چنانچہ ہر جگہ فیصلے اکثریتی قوت کے تحت ہی ہوتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انصاف دلیل کی بنیاد پر ملتا ہے اور اس کے سامنے قوت کو بھی سرنگوں کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ اسلامی مملکت کا قانون شریعت ہوتا ہے اور فقہ کا درجہ اس کی تعبیر کا، نیز تعبیر میں اصل مسئلہ خطاء و صواب یا راجح مرجوح کا ہوتا ہے، اس لیے اصل اہمیت دلیل کی ہوگی نہ کہ اکثریت کی۔ پس کسی بھی ملک میں اکثریتی فقہ کو قانونی درجہ دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ مسلمانوں کی صدیوں کی تاریخ اس پر شاہد ہے، دورِ حاضر میں سعودی عرب میں یہ نظام کامیابی سے چل رہا ہے۔ اور برصغیر (پاک و ہند) میں بھی برطانوی دور کے سارے عرصہ میں عائلی معاملات کے فیصلے اسی طریقِ کار کے مطابق ہوتے رہے۔ حالانکہ پرسنل لاء کے معاملہ میں انسانی طبائع بڑے حساس واقع ہوئے ہیں۔

حاصل یہ کہ قانونی حق و صداقت کے لیے دلیل ہی بنیاد ہوتی ہے اور جو شریعت میں وحی الٰہی یعنی صرف اور صرف کتاب و سنت ہے! ـــــ نفاذِ شریعت کی کوششوں کی اصل منزل خلافتِ اسلامیہ کا قیام ہے۔ لیکن اگر اکثریتی فقہ کا فلسفہ تسلیم کر لیا جائے تو عالمِ اسلام کی ایک خلافت میں متعدد دساتیر بھی ماننے پڑیں گے، جن کا تصور ہی باطل ہے!

۴۔ کہا جاتا ہے کہ:

نفاذِ شریعت بل سے ملک کا نظام تہ و بالا ہو جائے گا کیونکہ مدوّن قانون نہ ہونے کی صورت میں شدید بحران کا اندیشہ ہے!

یہ اعتراض بھی وزنی نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخ میں مدوّن عائلی قوانین کا باب بڑا مختصر ہے۔ آج تک خاندانی معاملات مسلمانوں کے ہاں کتاب و سنت کے ساتھ فقہ و فتاویٰ کی روشنی ہی میں چلتے رہے ہیں اور غیر مسلموں میں بھی غیر مدوّن رسوم و رواج اس کی بنیاد بنتے رہے ـــــ حتّٰی کہ برطانیہ کا تو سارا دستوری قانون ہی غیر مدوّن ہے۔ اس کے باوجود کہیں کوئی بحران نہیں ہے! ـــــ پھر مسلمانوں کے پاس تو کتاب و سنت کی مخصوص انداز کی تدوین بھی موجود ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے شدید بحران کا خطرہ بالکل موہوم ہے[1] ـــ اگر

[1] سرکاری سطح پر نفاذِ شریعت سے بحران کے جس اندیشے کا ذکر ہو رہا ہے، وہ اس لیے بھی بے بنیاد ہے کہ غیر سرکاری سطح پر دیندار لوگ زندگی کے جملہ کاروبار میں شریعت یا اپنی اپنی فقہ پر عمل پیرا بھی ہیں۔ اور اپنی مشکلات میں وہ اہلِ علم سے رجوع کر کے جدید پیش آمدہ الجھنوں کا شرعی حل بھی معلوم کرتے ہیں۔ اور یہ سارا کام بغیر کسی پریشانی اور الجھاؤ کے چل رہا ہے۔ جس میں عقائد، عبادات، اور رسوم و رواج کے علاوہ اجتماعی امور، زراعت و تجارت اور انتظام و معیشت بھی شامل ہیں۔ تو پھر سرکاری سطح پر ایسے اہتمام سے کون سا طوفان اُٹھ کھڑا ہوگا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گزشتہ چودہ صدیوں تک مسلمانوں کا نظام کتاب و سنت اور ان کے فقہی ذخیرہ سے کامیاب چلتا رہا ہے تو اب ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ علاوہ ازیں شریعت بل کا مقصد مروجہ قانون کا یکسر انکار نہیں، بلکہ اس کا مقصود موجودہ قانونی نظام میں شریعت کی اعلیٰ حیثیت قائم کرنا ہے ـــــ شریعت کی اس بالادستی سے مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کو آہستہ آہستہ پابند شریعت تو ہونا پڑے گا، جو مطلوب بھی ہے، لیکن موجودہ قانونی ڈھانچہ ذیلی قانون کی حیثیت سے موجود رہے گا!

ہمیں تعجب ہے کہ جو حضرات بحران کا واویلا کرتے ہیں، وہ ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ دستور میں پہلے سے ایسی دفعات موجود ہیں، جن سے قانونی ڈھانچہ اور معاشرہ اسلامی بن سکتا ہے ـ مزید یہ کہ ان کے بقول وفاقی شرعی عدالت جملہ انگریزی قوانین کو، ماسوائے چند ایک کے، اسلام کے مطابق قرار دے چکی ہے ـ پھر اسی سانس میں وہ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ رائج الوقت قوانین میں بھاری تعداد، بلکہ اکثریت، ایسے قوانین کی ہے جو محض انتظامی نوعیت کے ہیں اور ان سے کوئی حلال و حرام یا جائز و ناجائز کا مسئلہ متعلق نہیں ہے ـ ـــــ گویا جب ملک کا قانونی ڈھانچہ پہلے ہی سے اسلام کے بنیادی تصورات کے مطابق ہے، اور اس سے کوئی بھی بحران پیدا نہیں ہوا، تو اب اسلام کے ساتھ شریعت (کتاب و سنت) کی (محض) بالادستی سے کون سا بحران جنم لے گا؟ مزید حیرت انگیز امر یہ کہ اسلام، شریعت یا کتاب و سنت میں وہ کون سا فرق ہے کہ آج تک اسلام کے نعروں کے باوجود ملک اور نظام رواں دواں ہیں، لیکن کتاب و سنت کی صرف بالادستی ہی شدید بحرانوں کا سبب بن جائے گی؟ ـــــ اس سے تو دلوں کے ٹیڑھ کی نشاندہی ہوتی ہے، کہ اسلام کا نام محض عوام کو دھوکا دینے کے لیے لیا جاتا ہے، جبکہ درحقیقت شریعت کی عملداری کا خوف بُری طرح سوار ہے!

الغرض، شریعت بل نویں آئینی ترمیم سے ہم آہنگ ہو کر زیادہ سے زیادہ دستور کا ایک حصہ ہی بنے گا، دستور و قانون کو معطل نہ کر دے گا ـ لہٰذا شریعت بل سے ڈرنا ایمانی کمزوری ہے جبکہ نفاذِ شریعت کے سلسلہ میں نصرتِ خداوندی بھی ہمارے شامل حال ہو گی اور ہم کامیاب و سرخرو ہوں گے ـــــ ان شاء اللہ تعالیٰ!

© rasailojaraid.com